نوٹس

9

قرونِ وسطیٰ میں مذہب اور فلسفہ

شہر کے کسی بھی آڈیٹوریم میں تقریباً ہر ماہ ایک پروگرام ہوتا ہے، جس میں صوفی بزرگوں اور بھکتی سنتوں کے گیت گائے جاتے ہیں۔ ان پروگراموں کی مقبولیت ان میں موجود سامعین کی تعداد سے دیکھا جاسکتا ہے۔اس طرح کے پروگراموں کی سرپرستی حکومت، بڑے کاروباری اداروں اور انفرادی لوگوں کی طرف سے بھی کی جاتی ہے۔صوفی اور بھکتی سنتوں کے گیت اور تعلیمات آج کے زمانے سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں قرونِ وسطیٰ میں صوفی تحریک اور بھکتی تحریک کا ابھار اور اس کی افزائش عمل پذیر ہوئی ہے۔ان دونوں تحریکوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی تاثرات کی ایک نئی شکل کو جنم دیا۔صوفی خدا سے لو لگانے والے لوگ تھے، جنھوں نے اسلام میں وسعت اور فراخ دلی کی تعلیم دی۔ انھوں نے عالمگیر پیار و محبت پر مبنی مساوی سماج پر زور دیا۔بھکتی سنتوں نے بھگوان تک رسائی کے لیے پرستش یا بھکتی کو وسیلہ کے طور پر پیش کر کے ہندو دھرم میں ماہیتی تبدیلی کی۔صوفیوں اور بھکتی سنتوں نے ہندو اور مسلمانوں کو یکجا کرکے ایک اہم رول ادا کیا۔عوام کی مقامی زبانوں کو استعمال کر کے انھوں نے مذہب کو عام آدمی کے لیے قابلِ رسائی اور بامعنی بنایا۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں صوفی اور بھکتی تحریکوں کے عروج کی وجوہات کو سمجھ سکیں گے؛
- صوفی تحریک کی افزائش کا پتہ لگا سکیں گے؛
- صوفیوں کے بڑے سلسلہ کی شناخت کر سکیں گے؛
- صوفی ازم کے خاص عقائد کی وضاحت کر سکیں گے؛
- بھکتی سنتوں، سنت کبیر اور گرونانک کے فلسفہ کو واضح کر سکیں گے؛

نوٹس

- سکھ ازم کے عروج
- ویشنوئی سنتوں کے تصور کو واضح کرسکیں گے؛
- مخلوط ہندوستانی ثقافت میں صوفیوں اور بھکتی سنتوں کے حصہ کی شناخت کرسکیں گے۔

9.1 صوفی تحریک

پس منظر – اسلام کا عروج

آپ جانتے ہوں گے کہ اسلام آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیش کیا گیا۔ اسلام میں کئی مذہبی اور روحانی تحریکوں کا وجود ہوا۔ یہ تحریکیں بنیادی طور پر قرآن شریف کی تشریح پر مرتکز ہیں۔ اسلام کے اندر دو خاص فرقے ابھرے اور یہ تھے سنی اور شیعہ۔ ہمارے ملک میں یہ دونوں فرقے ہیں۔ لیکن دوسرے کئی ملکوں مثلاً ایران، عراق اور پاکستان وغیرہ میں آپ کو ان میں سے صرف ایک پیروکار ملیں گے۔

سنی مسلمانوں میں اسلامی قوانین کے چار بنیادی مکاتب فکر ہیں۔ یہ قرآن اور حدیث (پیغمبر اسلام کے احکامات اور افعال سے متعلق روایات) پر مبنی ہیں، ان میں سے آٹھویں صدی عیسوی کے حنفی مسلک کو مشرقی ترکوں نے اپنایا جو بعد میں ہندوستان آئے۔

روایتی سنی ازم کو سب سے بڑے چیلنج کا سامنا معقولیت پسند فلسفہ یا معتزلہ کی جانب سے کرنا پڑا۔ جو سختی کے ساتھ وحدانیت کے داعی تھے۔ ان کے مطابق خدا برحق ہے اور انسان کے برے افعال کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انسان کو اس کی اپنی مرضی کا مالک بنایا گیا ہے اور وہ اپنے افعال کے لیے خود ذمہ دار ہے۔ معتزلہ کی مخالفت اشعری مکتب فکر کی جانب سے کی گئی، جس کی بنیاد ابوالحسن اشعری نے (873-935A.D) نے ڈالی تھی۔ اشعری مکتب فکر نے روایتی نظریہ (کلام) کے دفاع میں اپنی عقلی دلیل پیش کی۔ اس مکتب فکر کا عقیدہ تھا کہ خدا جانتا ہے، دیکھتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ قرآن لافانی اور نا آفریدہ (غیر تخلیق شدہ) ہے۔ اس مکتب فکر کے عظیم ترین ترجمان ابوحمید الغزالی (1058-1111AD) تھے، جنھوں نے روایت پسندی کے ساتھ تصوف کی موافقت کی۔ وہ ایک عظیم عالم دین تھے، جنھوں نے 1095 سے صوفیانہ زندگی بسر کرنا شروع کردی۔ روایتی عناصر اور صوفی ان کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ الغزالی نے سبھی غیر روایتی سنی اسکولوں پر نکتہ چینی کی۔ ان کا کہنا تھا کہ مثبت آگہی کو عقل و دانش سے نہیں، بلکہ کشف سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ صوفیوں کی بھی اتنی ہی وابستگی تھی جتنی کہ علماء کی۔

حکومت کی جانب سے قائم کیے گئے نئے تعلیمی نظام کی وجہ سے غزالی کے تصورات کے اثر میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ حکومت کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے لیے درس گاہوں (جنھیں مدرسے کہا جاتا تھا) کا بندوبست

نوٹس

کیا گیا جہاں طالب علموں کو اشعری تصورات سے واقف کرایا جاتا تھا۔ انھیں یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ روایتی، راسخ العقیدہ سنی تصورات کے مطابق حکومت کس طرح کی جاتی ہے۔ ان اسکالروں کو ''علماء'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کی سیاست میں ان علماء نے ایک اہم رول ادا کیا۔

صوفی

صوفی، علماء کے برعکس تھے۔ وہ تصوف پر یقین رکھتے تھے۔ وہ پاکباز لوگ تھے اور سیاسی اور مذہبی زندگی میں پستی پر افسوس کرتے تھے۔ وہ عوامی زندگی میں دولت کے بھدے اظہار کے مخالف تھے۔ وہ علماء کی جانب سے ''بے دین'' حکمرانوں کی خدمت پر رضامندی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر نے گوشہ نشین زاہدانہ زندگی بسر کی۔ صوفی فلسفہ بھی علماء سے برعکس تھا۔ صوفی آزادانہ اندازِ فکر اور آزادانہ تصورات پر زور دیتے تھے۔ وہ مذہب میں رسمی عبادات، کٹرپن اور تعصب پسندی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے مذہبی تسکین کے حصول کے لیے ریاضت کو ترجیح دی۔ بھکتی سنتوں کی طرح صوفی بھی مذہب کی ترجمانی ''خدا سے محبت'' کے طور پر کرتے تھے اور اس کو وہ عوام الناس کی خدمت سمجھتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ صوفی مختلف ''سلسلوں'' (نظم) میں تقسیم ہوگئے، جن میں سے ہر سلسلہ کا ایک پیر (رہنما) ہوتا تھا، جس کو ''شیخ'' یا ''خواجہ'' کہا جاتا تھا۔ پیر اور اس کے مرید خانقاہ میں رہا کرتے تھے۔ پیر اپنے مریدوں میں سے ایک جانشین یا ''ولی'' مقرر کرتا تھا جو اس کے بعد اس کی تعلیمات کی تبلیغ کا فریضہ نبھاتا تھا۔ صوفی ''سماع'' (نعتیہ کلام) منعقد کرتے تھے، جن کا مقصد صوفیانہ وجدان کو ابھارنا تھا۔ عراق میں بصرہ صوفی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رکھی چاہیے کہ صوفی کسی نئے مذہب کو پیش نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ مذہب اسلام کے دائرۂ عمل کے اندر ایک اور زیادہ روشن ضمیر تحریک کو بڑھاوا دے رہے تھے۔ قرآن و حدیث کی وہ اتنی ہی تعظیم و تکریم کرتے تھے جتنی کہ علماء کے دلوں میں تھی۔

ہندوستان میں صوفی ازم

ہندوستان میں صوفی ازم کی آمد ممکنہ طور پر گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اوائلی صوفیوں میں سے ایک الجواری تھے، جو ہندوستان میں آباد ہوئے، اور یہیں 1089ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ داتا گنج بخش کے نام سے مشہور تھے۔ آغاز میں صوفی ازم کے خاص مراکز ملتان اور پنجاب تھے۔ تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی تک صوفی ازم کشمیر، بہار، بنگال اور دکن تک پھیل گیا۔ یہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صوفی ازم ہندوستان آنے سے پہلے ایک متعین شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کے بنیادی اور اخلاقی اصول، تعلیمات اور قوانین متعین کیے جاچکے تھے۔ خانقاہوں میں رہائش کا طریقہ اپنایا جاچکا تھا۔ صوفی خود اپنی مرضی

سے افغانستان کے راستہ ہندوستان آئے۔ ان کے پاس وصاف طرزِ زندگی، نوعِ انسان سے محبت اور اس کی خدمت نے ان کو ہندوستان میں مقبول بنا دیا اور ہندوستانی سماج میں انھوں نے باوقار مقام حاصل کرلیا۔

ابوالفضل نے اپنی کتاب ''آئین اکبری'' میں صوفیوں کے چودہ سلسلوں کا ذکر کیا ہے۔ تاہم اس سبق میں ہم ان میں سے کچھ اہم سلسلوں کو ذکر کر پائیں گے۔ یہ سلسلہ دو اقسام میں تقسیم تھے۔ ''باشرع'' اور ''بے شرع''۔ باشرع وہ صوفی تھے جو اسلامی قانون (شریعت) کے پابند تھے اور اس کے احکامات مثلاً نماز اور روزے کی پوری طرح سے پابندی کرتے تھے۔ ان میں سے بنیادی سلسلہ چشتی، سہروردی، فردوسی، قادری اور نقش بندی تھے۔ بے شرع سلسلہ شریعت کے پابند نہیں تھے۔ قلندروں کا تعلق اسی گروپ سے تھا۔

سلسلۂ چشتی

چشتی سلسلہ کی داغ بیل ہندوستان میں ہرات کے نزدیک ایک گاؤں خواجہ چشتی میں پڑی۔ اس سلسلہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتی تھے، جن کی پیدائش 1192ء میں ہوئی اور 1192 کے قریب ہندوستان آئے۔ انھوں نے اجمیر کو اپنی تعلیمات کا خاص مرکز بنایا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدمت خلق عبادت کی بہترین شکل ہے اور اسی وجہ سے انھوں نے پسماندہ طبقات کے درمیان کام کیا۔ ان کا انتقال 1236 میں اجمیر میں ہوا۔ مغلوں کے دور حکومت میں اجمیر ایک مشہور زیارت گاہ بن گیا اس لیے کہ مغل بادشاہ پابندی سے شیخ معین الدین چشتی کے مقبرے کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کی مقبولیت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی لاکھوں مسلمان اور ہندو اپنی مرادوں کی تکمیل کے لیے ان کی درگاہ کی زیارت کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ناگور کے شیخ حمید الدین اور قطب الدین بختیار کاکی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے اول الذکر نے ایک غریب کسان کی حیثیت سے زندگی بسر کی۔ زمینوں کی کاشت کی اور التمش کی جانب سے ایک گاؤں کا عطیہ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ پر بھی روزانہ ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ زیارت کی غرض سے آتے تھے۔ سلطان التمش نے قطب مینار کو اسی صوفی کے نام سے منسوب کیا تھا۔ اجودھن (پٹن، پاکستان) کے شیخ فریدالدین نے ہریانہ اور پنجاب میں چشتی سلسلہ کو مقبول بنانے کے لیے کام کیا۔ شیخ فریدالدین لوگوں کے دکھ درد سننے اور ان کا مداوا کرنے کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے۔ صوفیوں نے عام آدمیوں سے ہمیشہ قریبی تعلق بنائے رکھا۔ نظام الدین اولیاء مذہب اور ذات سے قطع نظر ضرورت مندوں میں تحائف تقسیم کرنے کے لیے مشہور تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک آرام نہیں کرتے تھے جب تک کہ وہ درگاہ میں موجود ہر فرد کی بات کو سن نہیں لیا کرتے تھے۔ صوفیوں کے مطابق خدا کی عبادت کی اعلیٰ ترین شکل خدمت خلق ہے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے، امیر خسرو کا کہنا تھا کہ ''گو کہ ہندو، مذہب کے لحاظ سے میری طرح

نوٹس

نہیں ہے، لیکن وہ اسی چیز میں یقین رکھتے ہیں، جس میں میں یقین کرتا ہوں۔''

صوفی تحریک نے مساوات اور بھائی چارے کو بڑھاوا دیا۔ درحقیقت اسلام میں مساوات کی جو تعلیم دی گئی ہے اس کا احترام علماء سے زیادہ صوفیوں نے کیا۔ روایت پسندوں نے صوفیوں کے عقائد کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا۔ صوفی بھی علماء پر تنقید کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ علماء حرص و ہوس کی وجہ سے دنیاوی آسائشوں میں الجھ گئے اور اس طرح سے قران کی اصل جمہوری اور مساوات کی تعلیمات سے بھٹک گئے۔ روایت پسندوں اور کشادہ دل عناصر کے درمیان یہ کشا کش سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران جاری رہی۔ صوفی بزرگوں نے سماجی اصلاحات کے لیے بھی کوششیں کیں۔

بھکتی سنتوں کی طرح صوفی برگوں نے بھی ثروت مند علاقائی ادب میں نمایاں اور بڑا حصہ ادا کیا۔ زیادہ تر صوفی شاعر تھے، جنھوں نے اپنی شاعری مقامی زبانوں میں کی۔ بابا فرید نے مذہبی تحریروں کے پنجابی زبان کا استعمال کیا۔ ان سے قبل شیخ حمید الدین نے ہندوی زبان میں لکھا۔ ان کی نظمیں فارسی کی صوفیانہ شاعری کا اوائلی ہندوی زبان پر ترجمہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ خواجہ سید گیسو دراز دکنی ہندی کے پہلے مصنف تھے۔ ان کے نزدیک تصوف کی وضاحت کے لیے ہندی زبان، فارسی زبان سے زیادہ پُر معنی تھی۔ صوفیوں کی کئی تخلیقات بنگالی زبان میں بھی موجود ہیں۔

اس دور کے سب سے زیادہ قابل ذکر شاعر امیر خسرو (1325-1251) تھے۔ وہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ خسرو کو اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر تھا اور وہ ہندوستان کی تاریخ اور اس کی ثقافت اپنی روایات کے ایک حصہ کے طور پر دیکھتے تھے۔ انھوں نے ایک نئی طرز کی تخلیق کی جسے ''سباقِ ہندی'' کہا جاتا ہے۔ پندرہویں صدی تک ہندی نے ایک متعین شکل اختیار کرلی اور بھکتی سنتوں مثلاً کبیر نے اس کا وسیع طور پر استعمال کیا۔

متن پر مبنی سوالات 9.1

1۔ علماء کن کو کہا جاتا تھا؟

2۔ 'کلام' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

3۔ داتا گنج بخش کس کو کہا جاتا تھا؟

4۔ آئین اکبری میں کتنے سلسلوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

5۔ خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کہاں ہے؟

6۔ اسلامی قانون کا نام کیا ہے؟

7۔ چراغِ ولی کس کو کہا جاتا ہے؟

4.3 بھکتی تحریک

بھکتی تحریک کا فروغ ساتویں سے بارہویں صدی کے دوران تمل ناڈو میں ہوا۔اس کی عکاسی نیناروں (شوبھکتوں) کے جذباتی گیتوں سے ہوتی ہے۔ان کے علاوہ الوروں (وشنوبھکتوں) کے بھجنوں میں بھی اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ بھکت دھرم کو محض بے جان رسمی پوجا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ اس کو دیوتا اور اس کے پجاریوں کے درمیان ایک گرمجوشانہ اور محبت آمیز بندھن کے طور پر دیکھتے تھے۔انھوں نے اپنے گیتوں اور بھجنوں کو مقامی زبانوں تمل اور تیلگو میں لکھا اور اس طرح سے وہ بہت سے لوگوں کو اپنے تصورات اور خیالات سے متاثر کر سکے۔

وقت کے ساتھ ساتھ جنوب کے تصورات شمال تک پہنچے،لیکن یہ ایک سست عمل تھا۔سنسکرت جو خیالات وتفکرات کا ذریعہ تھی کو ایک نئی شکل ملی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نویں صدی کے بھگوت پران کو قدیم پران شکل میں نہیں لکھا گیا۔کرشن کے بچپن اور اس کی جوانی پر مبنی اس تخلیق میں گہرے فلسفہ کو آسان اور سہل انداز میں واضح کرنے کے لیے کوشش کے کارناموں کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تخلیق ویشنوئی تحریک کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتی ہے جو بھکتی تحریک کا ایک اہم جز تھی۔

بھکتی آئیڈیالوجی کو پھیلانے کا ایک اور زیادہ موثر طریقہ مقامی زبانوں کا استعمال تھا۔بھکتی سنتوں نے اپنے گیت و بھجن مقامی زبانوں میں لکھے۔ انھوں نے سنسکرت کتابوں کا ترجمہ کیا تاکہ زیادہ تعداد میں لوگ ان کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ نندیو کی تخلیق مراٹھی زبان میں اور کبیر، سورداس اور تلسی داس کی تخلیقات ہندی زبان میں دستیاب ہیں۔شنکر دیو کو آسامی میں مقبولیت حاصل ہوئی اور چیتنیا اور چاندی داس نے اپنی تعلیمات بنگالی زبان میں پھیلائیں۔ میرابائی کے بھجن ہندی اور راجستھانی زبانوں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مذہبی

نوٹس

شاعری کشمیری، تیلگو، کنڑہ، اُڑیا، ملیالم، میتھالی اور گجراتی زبانوں میں بھی تخلیق کی گئی۔

بھکتی سنتوں کا ماننا تھا کہ نجات سبھی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بھگوان کے نزدیک ذات، نسل اور مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ ان کا خود کا تعلق بھی متنوع پس منظروں سے تھا۔ رامانندجن کے شاگردوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، ایک قدامت پسند برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے شاگرد کبیر ایک بُنکر تھے۔ گرونانک ایک دیہی کھاتہ دار کے بیٹے تھے۔ نامدیو درزی تھے۔ سنتوں نے ذات کے نظام کی تردید کرتے ہوئے مساوات پر زور دیا اور بندھے ٹکے مذہب کی مخالفت کی۔ سنتوں نے اپنے آپ کو خالص مذہبی تصورات کے دائرے میں قید نہیں کیا۔ انھوں نے سماجی اصلاحات کے لیے بھی جدوجہد کی۔ انھوں نے ستی اور نوزائیدہ بچیوں کو مار ڈالنے کی مخالفت کی۔ عورتوں کو کیرتنوں میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی۔ میرابائی اور للاّ (کشمیر) نے گیت لکھے جو آج بھی مقبول ہیں۔

غیر فرقہ وارانہ سنتوں میں سے سب سے زیادہ نمایاں کام کبیر اور گرونانک نے انجام دیا۔ ان کے تصورات ہندو اور مسلم دونوں روایات سے اخذ کیے گئے تھے اور ان کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلا کو پُر کرنا تھا۔ آیئے ہم ان کے بارے میں ذرا تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

کبیر (1440-1518) کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک برہمن بیوہ کے بیٹے تھے، جس نے انھیں ترک کردیا تھا۔ ان کی پرورش ایک مسلمان بنکر کے گھر میں ہوئی۔ کبیر کا ماننا تھا کہ خدا تک کا راستہ بھکتی یا عبادت کے ذاتی تجربہ سے ہوکر گزرتا ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ تخلیق کار صرف ایک ہے۔ وہ اپنے خدا کو کئی ناموں مثلاً رام، ہری، گووندا، اللہ رحیم، خدا سے یاد کرتا تھا۔ اس لیے اس بات میں کوئی حیرت نہیں ہے کہ مسلمان اسے صوفی سمجھتے تھے، ہندو واس کو رام بھکت گردانتے تھے اور سکھوں نے اس کے گیتوں کو ''ادی گرنتھ'' میں جگہ دی۔ مذہب کے خارجی پہلو کبیر کے نزدیک بے معنی تھے۔ اس کے ایقانات اور تصورات کی عکاسی اس کے دوہوں (سکھی) سے ہوتی ہے۔ اپنے ایک دوہے میں وہ کہتا ہے کہ اگر پتھر کی پوجا کرنے سے کسی کو خدا مل سکتا ہے تو پھر وہ پہاڑ کی پوجا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے چکّی کی پوجا کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ کم سے کم پیٹ تو بھرتی ہے۔

کبیر نے مذہب میں سادگی پر زور دیا اور اس کا کہنا تھا کہ خدا تک رسائی کا آسان ترین راستہ بھکتی ہے۔ اس نے توجیہہ کے بغیر رائج مذہبی ایقانات کو ماننے سے انکار کردیا۔ اس کے نزدیک انسان سخت محنت سے ہی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ اس نے فرض سے دستبرداری کے بجائے عمل کی انجام دہی پر زور دیا۔ خدا کی وحدانیت پر کبیر کے یقین نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ان کا مقصد بنایا۔

کبیر کے تصورات صرف مذہب تک محدود نہیں تھے۔ اس نے سماج کے تنگ نظر انداز فکر کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس کی شاعری پر اثر اور دل میں اتر جانے والی تھی۔ اس کو آسانی سے سمجھا جاسکتا تھا اور اس کا

نوٹس

زیادہ تر حصہ روزمرہ کی زبان میں تھا۔

ننکانہ مکتب فکر کا ایک اور عظیم ترجمان گرونانک (1449-1539) تھے۔ ان کا جنم تلونڈی (ننکانہ صاحب) میں ہوا تھا۔ عمر کے ابتدائی حصہ سے ہی ان کا جھکاؤ روحانی زندگی کی طرف تھا۔ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی امید تھے۔ ان کے پیروکار سکھ کہلاتے تھے۔ (لفظ سکھ کو سنسکرت لفظ ''شیشہ'' (شاگرد) یا پالی زبان کے لفظ ''سکھا'' (ہدایت) سے اخذ کیا گیا ہے۔

گرونانک کی شخصیت میں سادگی اور سکون کی آمیزش تھی۔ گرونانک کا مقصد سماج میں موجود بدچلنی اور بداخلاقی کو ختم کرنا اور اس کے تنزل کو روکنا تھا۔ انھوں نے مساوی سماجی نظام کا قیام کرکے ایک نیا راستہ دکھلایا۔ کبیر کی طرح گرونانک بھی مذہبی گرو کی طرح سماجی اصلاح کار بھی تھے۔ انھوں نے عورتوں کے مقام کی بہتری پر زور دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ عورت کے بارے میں جو راجاؤں اور بادشاہوں کو جنم دیتی ہے۔ غلط اور بری باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ ان کی وانی (الفاظ) دوسرے سکھ گروؤں کے ساتھ سکھوں کی مقدس کتاب ''گروگرنتھ صاحب'' میں یکجا کی گئی ہے۔

ویشنوئی تحریک

آپ نے پڑھا ہے کہ کبیر، نامدیو اور گرونانک جیسے سنتوں نے خدا کی ''نراکار'' شکل کی عبادت کی تبلیغ کی۔ اس مدت کے دوران ایک اور تحریک بھی پروان چڑھی جو بھگوان کی ''ساکار'' شکل کی عبادت کرتی تھی۔ اس تحریک کو ویشنوئی تحریک کہا جاتا ہے اور اس کی عبادت کا مرکز رام اور کرشن تھے، جن کو بھگوان ویشنو کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ اس کے خاص ترجمان سور داس، میرا بائی، تلسی داس اور چیتنیا تھے۔ انھوں نے نجات کے راستہ تاثر کو پیش کرنے کے لیے شاعری، گیتوں، رقص اور کیرتنوں کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا۔

سورداس (1483-1563) مشہور گرو ولبھ چاریہ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک نابینا شاعر تھے، جن کے گیتوں کا مرکز کرشن تھے۔ ان کے ''سُر ساگر'' میں کرشن کے بچپن اور ان کی جوانی کے کارناموں کو سمویا گیا ہے اور اس میں کرشن کے لیے محبت اور مسرت وشادمانی کی جھلک ملتی ہے۔

میرا بائی (70-1503) کے گیتوں میں بھی کرشن کے لیے محبت واحترام کا اظہار کیا گیا ہے۔ کم عمری میں ہی بیوہ ہوجانے کے بعد میرا بائی نے کرشن کے ساتھ روحانی ملاپ کو ماننا شروع کردیا۔ اس کے گیتوں کا اپنا ایک انداز، ایک ایک انداز، ایک وصف ہے اور وہ آج بھی مقبول ہیں۔

ویشنوی تحریک مشرق میں چیتنیا (1484-1533) کی کوششوں سے پھیلی۔ چیتنیا، کرشن کو وشنو کا محض ایک اوتار نہیں سمجھے تھے بلکہ وہ اس کو سبھی دیوتاؤں سے برتر مانتے تھے۔ کرشن کی بھکتی کا اظہار انھوں نے ''سنکرتنوں'' (بھکتوں کے ذریعہ بھجن گان) کے ذریعہ کیا جو گھروں، مندروں اور گلیوں میں جلوس کی شکل میں

نوٹس

گائے جاتے تھے۔ دوسرے بھکتی سنتوں کی طرح چیتنیا بھی سبھی لوگوں کو اپنے دائرہ میں شامل کرنا پسند کرتے تھے خواہ وہ کسی بھی ذات سے تعلق رکھتا ہو۔ چنانچہ سنتوں نے عام لوگوں کے درمیان برابری کا احساس پیدا کیا۔

رام کی پوجا کو رامانند (1400-1470) جیسے سنتوں نے مقبول بنایا۔ وہ رام کو سب سے برتر دیوتا مانتے تھے۔ ان کی سبھاؤں میں عورتوں اور پسماندہ لوگوں کا خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ رام کے سب سے زیادہ مشہور بھکت تلسی داس (1532-1623) تھے جنھوں نے ''رام چرتر مانس'' لکھی۔

ویشنوی سنتوں نے اپنا فلسفہ ہندو دھرم کے وسیع فریم ورک کے اندر تیار کیا۔ انھوں نے مذہب کے اندر اصلاحات اور انسانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارے پر زور دیا۔ ان کا فلسفہ وسیع طور پر انسانیت پسند تھا۔

9.4 بھکتی اور صوفی تحریکوں کی اہمیت

آپ کو یاد ہوگا کہ بھکتی تحریک ایک سماجی۔ مذہبی تحریک تھی جو مذہبی تعصب اور سماجی کٹرپن کی مخالفت کرتی تھی وہ اچھے کردار اور نیک اور راسخ انداز فکر پر زور دیتی تھی۔ ایک ایسے وقت پر جب سماج جمود کا شکار ہوگیا تھا، بھکتی تحریکوں نے اس میں نئی زندگی اور توانائی پیدا کی۔ اس نے اعتماد کا نیا احساس پیدا کیا اور سماجی اور مذہبی اقدار کے نئے معنی دیے۔ کبیر اور نانک جیسے سنتوں نے مساوات کے خطوط پر سماج کی نئے سرے ترتیب بندی کی۔ سماجی برابری کی ان کی پکار نے بہت سے پسماندہ لوگوں کو ان کی جانب متوجہ کیا۔ گوکہ کبیر اور نانک کا نئے مذاہب کی داغ بیل ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن ان کی موت کے بعد ان کے پیروکار بالترتیب کبیر پنتھی اور سکھوں کے گروپ میں جمع ہوگئے۔

بھکتی اور صوفی سنتوں کی اہمیت ان کے ذریعہ تخلیق کردہ نئے ماحول میں مضمر ہے، جو ہندوستان کی سماجی، مذہبی اور سیاسی زندگی پر بہتر اثر ڈالتا رہتا۔ اکبر کے آزادانہ تصورات اسی ماحول کا نتیجہ تھے، جن میں اس کا جنم ہوا تھا اور پرورش ہوئی تھی۔ گرونانک کی تعلیمات نسل در نسل چلتی رہیں۔ اس کے نتیجہ میں ایک علیٰحدہ مذہبی گروپ وجود میں آیا۔ جس کا الگ زبان اور رسم الخط گرمکھی اور الگ مذہبی کتاب گروگرنتھ صاحب تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں سکھ شمالی ہندوستان کی سیاست میں ایک طاقتور سیاسی طاقت بن کر ابھرے۔

بھکتی اور صوفی تحریکوں کے درمیان عمل باہم نے ہندوستانی سماج پر اپنی چھاپ چھوڑی۔ ''وحدت الوجود'' کا صوفی تصور ہندو اپنشدوں سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔ کئی صوفی شاعروں نے تصورات کی وضاحت کے لیے فارسی کے بجائے ہندی اصطلاحوں کا استعمال کیا۔ ملک محمد جائسی جیسے صوفی شاعر نے اپنی

شاعری ہندی زبان میں کی۔ کرشن، رادھا، گوپی، جمنا، گنگا وغیرہ اصطلاحات کا استعمال اتنا عام ہوگیا کہ ایک ممتاز صوفی میر عبدالوحید نے ''حقائق ہندی'' کے عنوان سے مقالے لکھے جس میں اسلامی ہم معنی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعد کے برسوں میں بھی یہ عمل باہم جاری رہا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اکبر اور جہانگیر نے آزاد خیال مذہبی پالیسی کو اپنایا۔

بھکتی سنتوں کے عام فہم گیتوں اور نظموں نے موسیقی میں نشأۃ ثانیہ کی ابتدا کی۔ آج بھی مذہبی اجتماعوں میں میرا کے بھجن اور تلسی داس کی ''چوپائیاں'' پڑھی جاتی ہیں۔

متن پر مبنی سوالات 9.2

1۔ کون سی تخلیق ویشنوی تحریک کی تاریخ میں فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتی ہے؟

2۔ ''ادی گرنتھ'' کس مذہب کی مقدس کتاب ہے؟

3۔ کبیر اور گرونانک عوام کے درمیان کس طرح مقبول ہوئے؟

4۔ یہ کس نے کہا تھا۔ عورتوں کے بارے میں، جو راجاؤں کو جنم دیتی ہیں، بری باتیں نہیں کرنی چاہییں؟

5۔ ''سورساگر'' کس نے لکھی؟

قرونِ وسطیٰ میں فلسفہ

بڑی مذہبی تحریکوں کی بنیاد تصوف تھا۔ انھوں نے مذہبی تصورات اور ایقانات میں ایک بڑا حصہ ادا کیا۔ ولبھ آچاریہ، رام انج، نمبارک جیسے بھکتی سنتوں نے نیا فلسفیانہ اندازِ فکر پیدا کی جس کی ابتداء شنکر اچاریہ کے ''ادویت'' (غیر ثنویت) کے فلسفہ سے ہوئی تھی رام انج اچاریہ کی وششٹ ادوید:

وششٹ ادویت کا مطلب ہے معتدل وحدانیت۔ اس فلسفہ کے مطابق قطعی حقیقت برہما (خدا) ہے اور مادّہ اور روح اس کی خصوصیات ہیں۔

شنکر اچاریہ کا شوادویت

اس فلسفہ کے مطابق قطعی حقیقت شیو ہے، جس کی خصوصیت شکتی ہے۔ شیو اس دنیا میں اور اس سے

نوٹس

پرے بھی موجود ہے۔

مادھو آچاریہ کا دویت

دوید کے حقیقی معنی ہیں ثنویت، جو غیر ثنویت اور شنکر اچاریہ کی وحدانیت کے برعکس ہے۔ اس کا ماننا تھا کہ دنیا ایک فریب نظر (مایا) نہیں ہے، بلکہ فرق و امتیاز سے بھرپور ایک حقیقت ہے۔

نمبارکا کا دویت ادویت

دویت ادویت کے معنی ہیں دوہری وحدانیت۔ اس فلسفہ کے مطابق خدا نے اپنے آپ کو دنیا اور روح میں سمو دیا ہے۔ یہ دنیا اور روح خدا (برہما) سے متعلق ہیں اور یہ صرف خدا کی مرضی سے ہی باقی رہ سکتے ہیں۔ وہ علیٰحدہ لیکن منحصر ہیں۔

ولبھ آچاریہ کا شدھ ادویت

ولبھ آچاریہ سے ویدانت سوتر اور بھگوت گیتا کے بارے میں تبصرے لکھے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق سری کرشن، برہما تھے جنھوں نے اپنے آپ کو مادّے اور روح کے طور پر ظاہر کیا۔ خدا اور روح الگ نہیں بلکہ ایک ہیں۔ اس میں خالص غیر ثنویت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے فلسفہ کو "پشٹی مارگ" کے طور پر جانا جاتا ہے اور اس مکتب فکر کو "رودراسمپر دایہ" کہا جاتا ہے۔

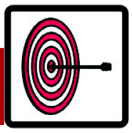

آپ نے کیا سیکھا

- بھکتی اور صوفی تحریکیں ہندو دھرم اور مذہب اسلام کے دائرے میں آزاد خیال تحریکیں تھیں، جنھوں نے نوع انسان اور خدا کے درمیان نئے اور زیادہ ذاتی تعلق پر زور دیا۔
- صوفی تحریک کی تعلیم کائناتی عشق و محبت اور انسانی بھائی چارے پر مبنی ہے۔
- نوع انسان کے درمیان اتحاد اتفاق کے اپنے تصور پر عقیدے کی وجہ سے صوفیوں نے ہندو افکار و خیالات کے ساتھ تصوراتی تعلق قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔
- بھکتی تحریک جنوب میں نیناروں اور الوروں کے درمیان پھیلی اور خدا سے والہانہ محبت پر مبنی عبادت کے ایک نئے طریقہ پر زور دیا۔
- بھکتی سنت "نرگن" اور "سگن پیروکاروں میں تقسیم تھے۔
- نرگن کے برعکس سگن، پیروکار بھگوان کو ایک متعین شکل مثلاً رام کرشن کے روپ میں دیکھتے تھے۔

نوٹس

- بھکتی اور صوفی تحریکوں نے ایک آزاد خیال بنیاد قائم کر کے اور علاقائی ادب اور مقامی زبانوں کو زبردست فروغ دے کر قرون وسطیٰ کے ہندوستانی سماج میں عظیم حصہ ادا کیا۔

اختتامی سوالات

1۔ اسلام میں صوفی تحریک نے کس طرح پیش رفت کی؟
2۔ آپ چشتی سلسلہ اور سہروردی سلسلہ میں کس طرح فرق کریں گے؟
3۔ بھکتی سنت اور صوفی بزرگ ایک سلسلہ کے دو رخ تھے، وضاحت کیجیے۔
4۔ گرونانک اور کبیر کے درمیان کیا باتیں یکساں تھیں؟
5۔ ہندوستان میں ویشنوی تحریک کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

9.1

1۔ راسخ العقیدہ سنّی نظریات کے علما
2۔ مذہب اسلام کا راسخ العقیدہ نظریہ
3۔ الجوا ری
4۔ 14
5۔ شرع
6۔ اجمیر
7۔ شیخ نصیر الدین محمود

9.2

1۔ بھگوت پران
2۔ سکھ مذہب
3۔ یہ نظریات ہندو اور مسلم روایتوں سے لیے گئے ہیں، انھوں نے آسان زبانوں کا بھی استعمال کیا۔
4۔ گرونانک
5۔ سورداس